ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY

Name:

Registration No.:

Course Code: 2966

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: فلسفہ عبادات اور تزکیۂ نفس (2966) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (بوٹ: 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر1: اسلام میں زکوۃ کی حیثیت بطور جامع عبادت اور اس کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرتی نظام پر اثرات(20 نمبر)

سوال نمبر1: اسلام میں زکوۃ کی حیثیت بطور جامع عبادت تفصیل سے بیان کریں اور وضاحت کریں کہ زکوۃ کس طرح عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرتی نظام پر اثرانداز ہوتی ہے۔(20)

تعارف

زکوۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے جسے قرآن و سنت میں نماز کے ساتھ بار بار ذکر کیا گیا ہے، اور یہی قرب اس بات کی علامت ہے کہ اسلام میں عبادت صرف فرد اور اللہ کے درمیان خاموش تعلق کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا جامع نظام ہے جو انسان کے عقیدے، اس کی عبادت، اس کے اخلاق اور پورے معاشرے کو ایک ساتھ متاثر کرتا ہے۔ لفظ زکوۃ کے لغوی معنی پاکیزگی، بڑھوتری اور نشوونما کے ہیں، اور اصطلاحاً اس سے مراد وہ مقررہ حصہ ہے جو صاحبِ نصاب مسلمان اپنے مال میں سے شرعی شرائط کے مطابق مستحقین کو اللہ کی رضا کے لیے دیتا ہے۔ اس جواب میں پہلے زکوۃ کی حیثیت بطور جامع عبادت کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا، پھر بتایا جائے گا کہ زکوۃ عقائد پر کس طرح اثرانداز ہوتی ہے، عبادات کے نظام کو کس طرح مضبوط کرتی ہے، اخلاق کی تربیت میں کیا کردار ادا کرتی ہے اور معاشرتی نظام میں توازن، انصاف اور باہمی ہمدردی پیدا کرنے میں کس قدر مؤثر ہے۔

زکوۃ کی حیثیت بطور جامع عبادت

زکوۃ کو جامع عبادت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں بیک وقت کئی عبادات اور کئی مقاصد جمع ہو جاتے ہیں۔ اولاً یہ مالی عبادت ہے، کیونکہ اس میں انسان اپنی محبوب ترین چیز یعنی مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اور مال کی محبت انسانی فطرت میں گہری ہونے کی وجہ سے یہ قربانی نفس کے لیے ایک بڑی آزمائش اور تربیت بھی ہے۔ ثانیاً یہ بدنی عبادت سے

بھی تعلق رکھتی ہے، کیونکہ مال کمانے، اس کا حساب رکھنے، نصاب اور حاجت مندوں کی تلاش میں جسمانی محنت اور وقت صرف ہوتا ہے۔ ثالثاً یہ قلبی عبادت ہے، کیونکہ اس کی قبولیت کا دارومدار خالص نیت، اخلاص اور اللہ پر بھروسے پر ہے؛ دکھاوے کی زکوٰۃ عبادت نہیں رہتی۔ رابعاً یہ اجتماعی عبادت ہے، کیونکہ اس کا فائدہ دینے والے تک محدود نہیں رہتا بلکہ لینے والے، اس کے خاندان اور پورے معاشرے تک پہنچتا ہے۔ اسی جامعیت کی وجہ سے علماء زکوٰۃ کو عبادت اور معاملت کے درمیان پل قرار دیتے ہیں: نیت کے اعتبار سے یہ عبادت ہے اور اثرات کے اعتبار سے یہ معاشرتی و معاشی نظام کی بنیاد ہے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کا ذکر نماز کے ساتھ اس کثرت سے آیا ہے کہ مفسرین نے اسے دین کے اجتماعی تصور کی واضح ترین دلیل قرار دیا ہے۔ سورۃ التوبہ میں ارشاد کے مفہوم کے مطابق ان کے مالوں میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک اور صاف کیا جائے، یعنی زکوٰۃ لینے اور دینے کے دونوں عمل کو تزکیے سے جوڑا گیا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے مستحقین کی آٹھ مدات بھی قرآن میں بیان کی گئی ہیں جن میں فقراء، مساکین، عاملین، مؤلفۃ القلوب، غلاموں کی آزادی، قرض دار، اللہ کی راہ اور مسافر شامل ہیں۔ یہ تفصیل خود بتاتی ہے کہ زکوٰۃ کوئی انفرادی خیرات نہیں بلکہ ایک منظم سماجی ادارہ ہے جس کے مصارف بھی طے شدہ ہیں اور جس کا مقصد معاشرے کے کمزور طبقات کو سہارا دے کر پورے نظام کو متوازن رکھنا ہے۔ یاد رہے کہ اس جواب میں عبادات کے احکام کو تعلیمی و علمی انداز میں بیان کیا جا رہا ہے؛ کسی خاص شخص یا معاملے پر شرعی حکم کا اطلاق اہلِ علم اور مستند مفتیانِ کرام کا کام ہے۔

زکوٰۃ کے عقائد پر اثرات

زکوٰۃ سب سے پہلے خود دینے والے کے عقیدے کو مضبوط کرتی ہے۔ جب انسان یہ مان کر مال دیتا ہے کہ اصل مالک اللہ ہے اور وہ خود اس مال میں امین اور خلیفہ کی حیثیت رکھتا ہے تو اس کے دل میں توحید کا عقیدہ عملی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مال کی ملکیت کا یہ تصور انسان کو مالکِ مطلق ہونے کے گھمنڈ سے نکال کر بندگی کے مقام پر لے آتا ہے۔ دوسرا اثر عقیدۂ آخرت پر پڑتا ہے: زکوٰۃ دینے والا اس یقین کے ساتھ دیتا ہے کہ یہ مال فنا نہیں ہو گا بلکہ آخرت میں کئی گنا بڑھ کر ملے گا، چنانچہ اس کا ایمان بالغیب عمل میں ڈھل جاتا ہے۔ تیسرا اثر یہ ہے کہ زکوٰۃ عقیدے کو رسم سے نکال کر کردار بنا دیتی ہے۔ جو شخص صرف زبانی ایمان کا دعویٰ کرے مگر ضرورت کے وقت مال نہ نکال سکے اس کا ایمان

کمزور سمجھا جاتا ہے، جب کہ باقاعدہ زکوٰۃ دینے والے کا عقیدہ ہر سال عمل کی کسوٹی پر پرکھا جا کر تازہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ عقیدے کی حفاظت، تجدید اور عملی تصدیق کا ذریعہ ہے۔

زکوٰۃ کا ایک اور اعتقادی اثر شکر اور توکل کی تقویت ہے۔ دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اللہ کی عطا ہے، اس لیے وہ اس میں سے کچھ لوٹا کر شکر ادا کرتا ہے، اور دینے کے بعد کمی کے خوف کے بجائے برکت کے یقین پر قائم رہتا ہے۔ یہ یقین اسے کنجوسی اور حرص سے بچاتا ہے جو عقیدے کے لیے زہرِ قاتل ہیں، کیونکہ بخیل آہستہ آہستہ مال ہی کو اپنا سہارا اور معبود بنا لیتا ہے۔ یوں زکوٰۃ ہر سال دل سے مال کی غلامی کا بت توڑ کر اللہ کی بندگی کو تازہ کرتی ہے۔

زکوٰۃ کے عبادات پر اثرات

عبادات کے نظام پر زکوٰۃ کے اثرات بھی گہرے ہیں۔ پہلا اثر یہ ہے کہ زکوٰۃ دوسری عبادات کے لیے پاکیزگی کی شرط پوری کرتی ہے: جس مال میں زکوٰۃ ادا نہ ہو اور جس آمدنی میں دوسروں کا حق شامل ہو، اس سے کی گئی عبادات کا روحانی سکون متاثر ہوتا ہے، جب کہ حلال اور پاک مال سے کی گئی نماز، روزہ اور حج میں خشوع اور قبولیت کی امید بڑھ جاتی ہے۔ دوسرا اثر باقاعدگی اور نظم کا ہے۔ زکوٰۃ کا سالانہ حساب، نصاب کی جانچ اور مستحق کی تلاش انسان کو ایک منظم مذہبی زندگی کا عادی بناتی ہے جو باقی عبادات میں بھی پابندی پیدا کرتی ہے۔ تیسرا اثر یہ ہے کہ زکوٰۃ نماز کے اجتماعی تصور کو مکمل کرتی ہے: نماز مسجد میں امیر و غریب کو ایک صف میں کھڑا کرتی ہے اور زکوٰۃ اس برابری کو معاشی زندگی میں بھی حقیقت بناتی ہے، ورنہ صف کی برابری صرف علامتی رہ جائے۔ چوتھا اثر یہ ہے کہ زکوٰۃ سے ادا ہونے والے دینی ادارے، یتیم خانے اور فلاحی کام خود عبادات کے فروغ کا ذریعہ بنتے ہیں، کیونکہ مستحق طلبہ اور ضرورت مند افراد سہولت پا کر عبادت اور علم کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔

زکوٰۃ کے اخلاق پر اثرات

اخلاقی اعتبار سے زکوٰۃ ایک مکمل تربیتی نظام ہے۔ یہ سب سے پہلے بخل، حرص اور خود غرضی جیسی بیماریوں کا علاج کرتی ہے، کیونکہ ہر سال مال نکالنے کی مشق دل میں سخاوت، ایثار اور دوسروں کے دکھ میں شریک ہونے کی عادت پیدا کرتی ہے۔ دینے والے کے دل میں نرمی اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے، وہ غریب کو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ اسے اپنے مال میں

شریکِ حق سمجھتا ہے، اور لینے والے کے دل سے محرومی کا احساس اور امیروں کے خلاف حسد و نفرت کم ہوتی ہے، کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ معاشرہ اسے بھولا نہیں ہے۔ زکوۃ احسان جتانے کی اخلاقی برائی سے بھی بچنے کی تعلیم دیتی ہے؛ قرآن کا اصول ہے کہ صدقے کے بعد اذیت اور احسان جتانا اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے، اس لیے دینے والا عاجزی اور خاموشی سے دیتا ہے۔ اس طرح زکوۃ دینے وا ، کو سخی، شاکر اور عاجز بناتی ہے اور لینے والے کو خودداری کے ساتھ جینے کا حوصلہ دیتی ہے۔ یہ دوطرفہ اخلاقی تربیت کسی اور مالی نظام میں اس جامعیت سے موجود نہیں۔

زکوۃ کے معاشرتی نظام پر اثرات

معاشرتی نظام پر زکوۃ کے اثرات سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ سب سے بڑا اثر دولت کی گردش ہے: زکوۃ دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے روکتی ہے اور اسے ہر سال معاشرے کے نچلے طبقات تک پہنچاتی ہے، جس سے دولت کی منصفانہ تقسیم کا ایک مستقل نظام قائم رہتا ہے۔ دوسرا اثر غربت اور بے روزگاری میں کمی ہے، کیونکہ زکوۃ کی رقم سے مستحق شخص اپنی فوری ضرورت بھی پوری کر سکتا ہے اور چھوٹا کاروبار شروع کر کے خود کفیل بھی ہو سکتا ہے۔ تیسرا اثر سماجی امن ہے: جہاں محروم طبقہ کو اس کا حق ملتا رہے وہاں چوری، ڈاکا زنی، بھیک مانگنے اور طبقاتی نفرت جیسی سماجی بیماریاں کم ہوتی ہیں۔ چوتھا اثر معاشی سرگرمی میں اضافہ ہے، کیونکہ غریب کے ہاتھ میں آئی ہوئی رقم فوراً بازار میں خرچ ہوتی ہے جس سے طلب بڑھتی ہے اور کاروبار چلتا ہے۔ پانچواں اثر یہ ہے کہ زکوۃ ریاست اور معاشرے کو فلاحی ذمہ داری کا ایک پائیدار ماڈل دیتی ہے جس میں امداد خیرات کے طور پر نہیں بلکہ حق کے طور پر دی جاتی ہے۔

جدول 1: زکوۃ کے اثرات کا خلاصہ

شعبہ	زکوۃ کا بنیادی اثر	عملی نتیجہ
عقائد	اللہ کی ملکیت اور آخرت پر یقین کی عملی تصدیق	توحید اور توکل کی مضبوطی
عبادات	مال کی پاکیزگی اور باقاعدہ دینی نظم	خشوع اور عبادات میں پابندی

اخلاق	بخل کا علاج، سخاوت اور ہمدردی کی تربیت	ایثار، عاجزی اور باہمی محبت
معاشرہ	دولت کی گردش اور مستحقین کی کفالت	غربت میں کمی اور سماجی امن

ان اثرات کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کوئی اکیلی رسم نہیں بلکہ اسلامی نظامِ زندگی کا مرکزی ستون ہے جو عقیدے سے شروع ہو کر معاشرے تک ایک مکمل دائرہ بناتا ہے۔ عقیدہ زکوٰۃ کی نیت بناتا ہے، زکوٰۃ عبادت کو پاکیزہ کرتی ہے، پاکیزہ عبادت اخلاق سنوارتی ہے اور اچھا اخلاق معاشرے کو پرامن بناتا ہے، اور پرامن معاشرہ پھر عقیدے کے فروغ کے لیے سازگار ماحول مہیا کرتا ہے۔ شکل نمبر 1 میں اسی باہمی تعلق کو دکھایا گیا ہے۔

Figure 1: How Belief, Worship, Character and Society Affect One Another



شکل 1: عقیدہ، عبادت، اخلاق اور معاشرے کا باہمی تعلق — زکوٰۃ اس پورے دائرے میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اسلام کی جامع ترین عبادات میں سے ہے جس میں مالی قربانی، قلبی اخلاص، بدنی محنت اور اجتماعی فلاح سب جمع ہیں۔ یہ دینے والے کے عقیدے کو عملی تصدیق دے کر مضبوط کرتی ہے، اس کی عبادات کو مال کی پاکیزگی اور باقاعدگی سے آراستہ کرتی ہے، اس کے اخلاق کو بخل سے نکال کر سخاوت اور ہمدردی کی طرف لے جاتی ہے

اور معاشرتی نظام میں دولت کی گردش، غربت کے خاتمے اور سماجی امن کی بنیاد رکھتی ہے۔ اسی لیے یہ کہنا بجا ہے کہ زکوٰۃ صرف ایک مالی فریضہ نہیں بلکہ فرد اور معاشرے دونوں کے تزکیے کا ذریعہ ہے، اور اس کی یہی جامعیت اسے دوسری تمام عبادات سے ممتاز کرتی ہے۔

سوال نمبر 2: طہارت کے وجوب کی شرائط (20 نمبر)

سوال نمبر 2: طہارت کے وجوب کی شرائط بیان کریں۔ (20)

تعارف

طہارت اسلام میں عبادات کی قبولیت کی بنیاد اور شرط ہے۔ نماز جیسی عظیم عبادت طہارت کے بغیر درست نہیں ہوتی، قرآن مجید کی تلاوت، طواف اور دیگر کئی عبادات بھی پاکیزگی سے جڑی ہوئی ہیں۔ اسلام نے طہارت کو صرف جسمانی صفائی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ظاہری اور باطنی دونوں پاکیزگی کا نظام بنایا ہے: جسم، لباس اور جگہ کی پاکیزگی کے ساتھ دل کا حسد، کینہ اور ناپاک خیالات سے پاک ہونا بھی اسی وسیع تصور میں شامل ہے۔ لیکن فقہی اعتبار سے جب یہ سوال ہوتا ہے کہ طہارت یعنی وضو و غسل کس شخص پر اور کن حالات میں واجب ہوتی ہے تو اس کے لیے فقہاء نے شریعت کے دلائل کی روشنی میں باقاعدہ شرائط مقرر کی ہیں۔ اس جواب میں پہلے طہارت کے معنی اور اقسام کا مختصر تعارف دیا جائے گا، پھر طہارت کے وجوب کی شرائط کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا اور آخر میں ان شرائط کی حکمت پر روشنی ڈالی جائے گی۔ واضح رہے کہ یہ بیان تعلیمی مقصد کے لیے عمومی فقہی اصولوں پر مبنی ہے؛ کسی مخصوص صورتِ حال پر عمل کے لیے مستند علماء سے رجوع کرنا چاہیے۔

طہارت کے معنی اور اقسام

طہارت کے لغوی معنی پاکیزگی اور صفائی کے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد حدث اور خبث سے پاک ہونا ہے۔ حدث اس بے وضو یا جنابت وغیرہ کی حالت کو کہتے ہیں جو نماز وغیرہ سے مانع ہوتی ہے اور یہ وضو یا غسل سے دور ہوتی ہے، جب کہ خبث ظاہری نجاست کو کہتے ہیں جو جسم، لباس یا جگہ سے دھونے سے دور ہوتی ہے۔ طہارت کی دو بڑی

قسمیں ہیں: طہارتِ کبریٰ جو غسل سے حاصل ہوتی ہے اور طہارتِ صغریٰ جو وضو سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ پانی نہ ملنے یا اس کے استعمال کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم طہارت کا بدل قرار دیا گیا ہے۔ یہ تقسیم بتاتی ہے کہ شریعت نے ہر درجے کی ناپاکی کے لیے اسی درجے کا علاج تجویز کیا ہے، نہ ضرورت سے زیادہ سختی رکھی ہے اور نہ عبادت کو پاکیزگی سے خالی رکھا ہے۔

طہارت کے وجوب کی بنیادی شرائط

پہلی شرط اسلام ہے۔ فقہی اصول یہ ہے کہ عبادات کے احکام کا اصل مخاطب مسلمان ہے، اس لیے طہارت کا وجوب بھی مسلمان پر ہوتا ہے۔ غیر مسلم سے دنیا میں اس کی ادائیگی کا مطالبہ اسی طرح نہیں کیا جاتا جس طرح نماز و روزے کا نہیں کیا جاتا، البتہ آخرت میں ایمان نہ لانے کی وجہ سے وہ جواب دہ ہو گا۔ اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کی بنیاد ایمان ہے اور ایمان کے بغیر ظاہری پاکیزگی اخروی نجات کا ذریعہ نہیں بنتی۔ دوسری شرط عقل ہے۔ مجنون اور بے ہوش انسان پر اس کی اس حالت میں طہارت واجب نہیں ہوتی کیونکہ شریعت نے تکلیف کا مدار عقل پر رکھا ہے؛ جس شخص کی عقل ہی موجود نہ ہو وہ حکم کا مخاطب نہیں رہتا۔ جب عقل واپس آ جائے اور ہوش آ جائے تو اس کے بعد کی عبادات کے لیے طہارت کا حکم اس پر عائد ہوتا ہے۔ تیسری شرط بلوغ ہے۔ نابالغ بچے پر طہارت فرض یا واجب نہیں ہوتی، کیونکہ شریعت نے بچے کو مکلف نہیں بنایا۔ البتہ تربیت کے لیے بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز اور طہارت کی عادت ڈالنے کی ترغیب دی گئی ہے، مگر یہ ترغیب ہے، فقہی وجوب نہیں۔ بلوغ کی علامات ظاہر ہونے یا مقررہ عمر پوری ہونے پر بچہ بالغ شمار ہوتا ہے اور اس پر تمام شرعی احکام کی طرح طہارت کا وجوب بھی عائد ہو جاتا ہے۔

چوتھی شرط حدث کا وجود ہے، یعنی طہارت اسی وقت واجب ہوتی ہے جب کوئی ناپاکی لاحق ہو۔ اگر کوئی شخص پہلے سے باوضو ہے تو اس پر دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں، وہ اسی وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ حدثِ اصغر یعنی وضو ٹوٹنے کی صورت میں وضو واجب ہوتا ہے اور حدثِ اکبر یعنی جنابت وغیرہ کی صورت میں غسل واجب ہوتا ہے۔ یہ شرط شریعت کی آسانی کو ظاہر کرتی ہے کہ وجوب ضرورت کے ساتھ جڑا ہے، بے وجہ تکلیف مقصود نہیں۔ پانچویں شرط ایسی عبادت کا ارادہ یا اس کا وقت داخل ہونا ہے جس کے لیے طہارت شرط ہے۔ مثلاً نماز کا وقت داخل ہونے اور نماز پڑھنے کا ارادہ کرنے سے وضو واجب بنتا ہے، کیونکہ نماز طہارت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ اسی طرح قرآن مجید کو چھونا، مسجد میں

اعتکاف وغیرہ کے مسائل بھی اسی سے جڑے ہیں۔ فقہاء نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ بعض عبادات کے لیے طہارت شرطِ صحت ہے اور بعض کے لیے مستحب، اس لیے وجوب کا تعین اس عبادت کی نوعیت دیکھ کر ہوتا ہے جس کے لیے طہارت حاصل کی جا رہی ہے۔

چھٹی شرط قدرت ہے، یعنی طہارت اسی پر واجب ہوتی ہے جو اس پر قادر ہو۔ پانی موجود ہو اور اس کے استعمال کی استطاعت ہو تو وضو یا غسل اصل حکم ہے۔ اگر پانی نہ ملے، یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے پانی کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو تو شریعت نے تیمم کی رخصت دے کر اس شرط کو آسان بنا دیا ہے، تاکہ کوئی شخص بھی عبادت سے محروم نہ رہے۔ ساتویں شرط حیض و نفاس سے پاک ہونا ہے بالخصوص غسل اور نماز و روزے کے باب میں، کیونکہ اس حالت میں عورت پر نماز فرض ہی نہیں ہوتی اور روزے کی قضا کا حکم الگ ہے؛ حالت ختم ہونے پر غسل کر کے عبادات شروع کی جاتی ہیں۔ آٹھویں شرط وقت کی تنگی کے تناظر میں یہ بھی ذکر کی جاتی ہے کہ جب نماز کا وقت اس قدر تنگ ہو جائے کہ طہارت میں لگنے سے وقت نکل جائے تو اس صورت کے احکام فقہاء نے الگ بیان کیے ہیں، جن کی تفصیل کسی فقہی مبسوط میں دیکھی جا سکتی ہے۔

شرائط کا تقابلی خلاصہ

جدول 1: طہارت کے وجوب کی شرائط اور ان کا مفہوم

شرط	مفہوم	نتیجہ
اسلام	عبادات کا مخاطب مسلمان ہے	طہارت کا مطالبہ مسلمان سے ہے
عقل	مجنون و بے ہوش مکلف نہیں	ہوش آنے پر حکم عائد ہوتا ہے
بلوغ	نابالغ مکلف نہیں، صرف ترغیب ہے	بالغ ہونے پر وجوب شروع ہوتا ہے
حدث کا وجود	ناپاکی لاحق ہو تب طہارت لازم ہے	باوضو پر دوبارہ وضو واجب نہیں
قصدِ عبادت / دخولِ وقت	نماز وغیرہ کا ارادہ یا وقت کی آمد	طہارت شرطِ صحت بن جاتی ہے

عدمِ قدرت پر تیمم کی رخصت ہے	پانی اور استطاعت موجود ہو	قدرت

ان شرائط کا بغور مطالعہ کرنے سے شریعت کا مزاج سمجھ میں آتا ہے کہ اس نے طہارت کو بوجھ نہیں بنایا بلکہ اسے عقل، عمر، حالت اور استطاعت کے ساتھ جوڑ کر ایک معقول اور قابلِ عمل نظام بنایا ہے۔ ہر شرط انسان کی کسی حقیقی حالت کی رعایت کرتی ہے: عقل کی شرط ذہنی حالت کی، بلوغ کی شرط عمر کی، قدرت کی شرط جسمانی و مادی استطاعت کی اور حدث کی شرط اصل ضرورت کی رعایت ہے۔ یہی توازن اسلامی عبادات کے فلسفے کی پہچان ہے کہ حکم اپنی جگہ پختہ بھی ہے اور انسان کے لیے آسان بھی۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ طہارت کے وجوب کی شرائط میں اسلام، عقل، بلوغ، حدث کا وجود، طہارت طلب عبادت کا ارادہ یا اس کے وقت کا داخل ہونا، قدرت اور متعلقہ موانع کا ختم ہونا شامل ہیں۔ ان شرائط کے پورا ہونے پر وضو یا غسل واجب ہو جاتا ہے اور ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو وجوب بھی اسی کے مطابق بدل جاتا ہے اور شریعت کی دی ہوئی رخصت جیسے تیمم کا راستہ کھل جاتا ہے۔ یہ نظام بتاتا ہے کہ اسلام میں پاکیزگی محض ظاہری صفائی نہیں بلکہ ایک سوچا سمجھا دینی فریضہ ہے جو انسانی حالتوں کی مکمل رعایت کے ساتھ عائد ہوتا ہے۔

سوال نمبر 3: نماز کا وقت کی پابندی، نظم و ضبط اور شخصیت سازی میں کردار (20 نمبر)

سوال نمبر 3: نماز وقت کی پابندی، نظم و ضبط اور شخصیت سازی میں کیا کردار ادا کرتی ہے؟ وضاحت کریں۔ (20)

تعارف

نماز اسلام کی سب سے اہم اور سب سے زیادہ دہرائی جانے والی عبادت ہے جو ہر بالغ مسلمان پر دن میں پانچ مرتبہ مقررہ اوقات میں فرض ہے۔ قرآن مجید میں نماز کو مؤمنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض قرار دیا گیا ہے، اور یہی وقت کی پابندی نماز کو صرف ایک روحانی عمل نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے زندگی بھر چلنے والی عملی تربیت میں بدل دیتی

ہے۔ جو انسان پانچ مرتبہ دن میں اپنے تمام کام چھوڑ کر ایک مقررہ وقت پر اللہ کے حضور کھڑا ہوتا ہے، اس کی زندگی میں وقت کی قدر، نظم وضبط اور خود احتسابی خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ اس جواب میں پہلے نماز اور وقت کی پابندی کا تعلق واضح کیا جائے گا، پھر بتایا جائے گا کہ نماز زندگی میں نظم وضبط کیسے پیدا کرتی ہے اور آخر میں شخصیت سازی میں نماز کے کردار کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا، جس میں اخلاقی، نفسیاتی اور اجتماعی پہلو شامل ہیں۔

نماز اور وقت کی پابندی

نماز کا سب سے نمایاں تربیتی پہلو وقت کی پابندی ہے۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء پانچوں نمازوں کے اوقات سورج کی حرکت کے ساتھ مقرر ہیں اور ہر نماز کا ایک آغاز، ایک پسندیدہ وقت اور ایک آخری حد ہے۔ نمازی کو اپنے دن کو انہی اوقات کے گرد ترتیب دینا پڑتا ہے: وہ نیند، کھانا، ملازمت، سفر اور ملاقاتیں سب کچھ نماز کے اوقات کو سامنے رکھ کر طے کرتا ہے۔ یہ مشق سال میں ایک دو بار نہیں بلکہ ہر روز پانچ مرتبہ دہرائی جاتی ہے، یہاں تک کہ وقت کی پابندی اس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ جس معاشرے میں نماز کا اہتمام ہو وہاں دفاتر، بازار اور سفر بھی وقت کے احترام سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس، جو شخص وقت کی پابندی کی سب سے بنیادی مشق نماز ہی میں لاپرواہی کرے، اس سے زندگی کے دوسرے معاملات میں پابندی کی توقع کم ہو جاتی ہے، کیونکہ عادت کا اصل میدان روزمرہ کے دہرائے جانے والے اعمال ہوتے ہیں اور نماز سے بڑھ کر دہرایا جانے والا کوئی عمل نہیں۔

وقت کی پابندی کے ساتھ نماز انسان کو وقت کی قدر و قیمت کا شعور بھی دیتی ہے۔ ہر نماز یہ یاد دہانی ہے کہ وقت گزر رہا ہے اور زندگی کا سرمایہ کم ہو رہا ہے، چنانچہ نمازی فضول مشغلوں اور وقت کے ضیاع سے بچنے لگتا ہے۔ نماز کے درمیان مختصر وقفے دن کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹ دیتے ہیں جن میں انسان اپنے کاموں کا جائزہ لیتا رہتا ہے: ظہر تک کیا کیا، عصر تک کیا باقی ہے۔ اس طرح نماز دن بھر کے لیے ایک عملی ٹائم ٹیبل کا کام دیتی ہے۔ جدید نفسیات بھی تسلیم کرتی ہے کہ دن میں مقررہ وقفے اور باقاعدہ معمول انسان کی توجہ، کارکردگی اور ذہنی سکون کو بہتر بناتے ہیں، اور نماز یہ سہولت صدیوں سے ہر نمازی کو مہیا کر رہی ہے۔

نماز اور نظم وضبط

نظم وضبط کی تربیت نماز کے ہر جز میں موجود ہے۔ طہارت سے نظم شروع ہوتا ہے کہ انسان صاف ستھرا ہو کر عبادت کے لیے تیار ہو۔ جماعت کی نماز میں صف بندی، امام کی پیروی، رکوع وسجود میں یکسانیت اور سلام کے ساتھ اختتام اور مکمل نظم کی مشق ہے کہ پوری جماعت ایک جسم کی طرح حرکت کرتی ہے۔ جلدی کرنا، امام سے پہلے حرکت کرنا یا صف توڑنا نظم کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ یہی نمازی جب زندگی کے میدان میں آتا ہے تو وہ قانون کی پابندی، اجتماعی کاموں میں تعاون اور اپنے فرائض کی ترتیب سے ادائیگی کا خوگر بن چکا ہوتا ہے۔ گھر میں اولاد کی تربیت، دفتر میں حاضری اور وعدوں کی پاسداری، اسی نظم کی شاخیں ہیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ نماز کے دنیاوی فوائد میں سے ایک یہ نظم وضبط ہے جو اسے صرف انفرادی عبادت نہیں رہنے دیتا بلکہ معاشرے کو منظم کرنے والا ادارہ بنا دیتا ہے۔

نماز اور شخصیت سازی

شخصیت سازی نماز کا سب سے گہرا اثر ہے۔ قرآن نے نماز کی خاصیت یہ بیان کی ہے کہ وہ بے حیائی اور ناپسندیدہ کاموں سے روکتی ہے، یعنی نماز کا اصل پھل کردار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ سجدے میں انسان اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر تکبر کو توڑتا ہے اور عاجزی سیکھتا ہے جو شخصیت کی سب سے خوبصورت صفت ہے۔ قیام، رکوع اور سجود کی تکرار سے نفس پر قابو پانے کی مشق ہوتی ہے، کیونکہ سردی، نیند، مصروفیت اور سستی کے باوجود وقت پر اٹھنا ارادے کی مضبوطی پیدا کرتا ہے۔ نماز انسان میں خود احتسابی کا مزاج پیدا کرتی ہے؛ ہر نماز پچھلے وقفے کے اعمال کا جائزہ لینے کا موقع ہے کہ اس دوران کوئی خطا تو سرزد نہیں ہوئی۔ اسی لیے نمازی کی شخصیت میں جھوٹ، خیانت اور بداخلاقی کے لیے جگہ تنگ ہوتی جاتی ہے، کیونکہ جو شخص دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہو اس کے لیے اللہ کی نافرمانی کا مسلسل ارتکاب مشکل ہو جاتا ہے۔

شخصیت کے نفسیاتی پہلو پر بھی نماز کے اثرات شاندار ہیں۔ نماز میں ذکر، تلاوت اور دعا سے ذہنی دباؤ کم ہوتا ہے، دل کو سکون ملتا ہے اور انسان مشکلات میں گھبراہٹ کے بجائے صبر اور بھروسے کا سہارا لیتا ہے۔ فجر کی نماز کے لیے صبح سویرے اٹھنا سستی ختم کر کے دن بھر کی توانائی دیتا ہے، جب کہ عشاء کے بعد بروقت سونا صحت بخش معمول بناتا

ہے۔ سماجی شخصیت کے اعتبار سے مسجد اور جماعت انسان کو تنہائی سے نکال کر برادری، خیر خواہی اور باہمی تعارف کے ماحول میں رکھتی ہے، جس سے اس کی معاشرتی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ یوں نماز بیک وقت روحانی، اخلاقی، نفسیاتی اور سماجی شخصیت کو تراشتی ہے۔

جدول 1: نماز کے تربیتی اثرات کا خلاصہ

پہلو	نماز کی مشق	شخصیت پر اثر
وقت	پانچ سر اوقات کی پابندی	وقت کی قدر اور باقاعدگی
نظم و ضبط	طہارت، صف بندی اور امام کی پیروی	قانون پذیری اور تعاون
اخلاق	حضورِ قلب اور بے حیائی سے ممانعت کا شعور	صداقت، عاجزی اور پرہیز گاری
نفسیات	ذکر، دعا اور سجود کا سکون	صبر، اعتماد اور ذہنی سکون
سماجی زندگی	جماعت اور مسجد کا ماحول	برادری اور خیر خواہی

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ نماز محض چند حرکات و اذکار کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل تربیتی نظام ہے۔ وقت کی پابندی میں یہ انسان کو دن کے اوقات کا نگران بناتی ہے، نظم و ضبط میں اسے طہارت، صف بندی اور اجتماعی پیروی کی عملی مشق دیتی ہے، اور شخصیت سازی میں اس کے ارادے کو مضبوط، اخلاق کو پاکیزہ، ذہن کو پر سکون اور سماجی تعلقات کو مضبوط بناتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس فرد اور جس معاشرے میں نماز کا اہتمام زندہ ہو وہاں وقت کی لاپرواہی، بے نظمی اور اخلاقی بگاڑ نسبتاً کم پایا جاتا ہے۔ اصل شرط یہ ہے کہ نماز کو رسم سمجھ کر نہیں بلکہ حضورِ قلب اور مفاہیم کی سمجھ کے ساتھ ادا کیا جائے تاکہ اس کے یہ تربیتی اثرات پوری طرح ظاہر ہوں۔

سوال نمبر 4: انسانی اعمال اور عقائد کا باہمی تعلق اور توحید کے عبادات پر اثرات (20 نمبر)

سوال نمبر 4: انسانی اعمال اور عقائد کے باہمی تعلق کو بیان کریں اور توحید کے عبادات پر اثرات واضح کریں۔ (20)

تعارف

اسلامی فکر کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عقیدہ اور عمل ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ عقیدہ درخت کی جڑ کی طرح ہے اور اعمال اس کے تنے، شاخیں اور پھل ہیں؛ جڑ مضبوط ہو تو پھل بھی صحت مند ہوتا ہے اور پھل کی خرابی جڑ کی بیماری کی خبر دیتی ہے۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں ایمان کے ساتھ عملِ صالح کا ذکر اس تسلسل سے آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے دونوں ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ دوسری طرف عقائد میں سب سے بنیادی عقیدہ توحید ہے یعنی اللہ کی وحدانیت، اس کی عبادت میں یکتائی اور اس کے اسماء و صفات کا اثبات، اور یہی عقیدہ تمام عبادات کی روح ہے۔ اس جواب میں پہلے عقائد اور اعمال کے باہمی تعلق کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ عقیدہ عمل کو کیسے پیدا کرتا اور عمل عقیدے کو کیسے مضبوط یا کمزور کرتا ہے، پھر توحید کے عبادات پر اثرات واضح کیے جائیں گے کہ توحید عبادت کی سمت، اس کی کیفیت، اس کی قبولیت اور اس کے اخلاقی و سماجی نتائج پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔

عقائد اور اعمال کا باہمی تعلق

عقیدہ عمل کی بنیاد اور محرک ہے۔ انسان وہی کرتا ہے جسے وہ سچ مانتا ہے؛ جس کے دل میں اللہ کی وحدانیت، اس کی قدرت اور آخرت کی جزا و سزا کا یقین راسخ ہو، اس کے اعمال میں نماز، صدقہ، امانت اور انصاف خود بخود پیدا ہوتے ہیں۔ برعکس ازیں جس کا عقیدہ صرف زبانی دعویٰ کی حد تک ہو اس کے اعمال میں نمود و نمائش اور موقع پرستی آ جاتی ہے۔ عقیدہ عمل کو تین چیزیں دیتا ہے: سمت دیتا ہے کہ عمل کس کے لیے اور کس مقصد کے لیے ہو، قوت دیتا ہے کہ مشکل اور تنہائی میں بھی انسان نیکی پر قائم رہے، اور معیار دیتا ہے کہ کس عمل کو اچھا اور کسے برا سمجھا جائے۔ آخرت کے عقیدے کے بغیر اخلاقی اعمال محض سماجی دباؤ کا نتیجہ رہ جاتے ہیں جو دباؤ ختم ہوتے ہی ختم ہو جاتے ہیں، لیکن ایمان کا عمل تنہائی اور اندھیرے میں بھی قائم رہتا ہے کیونکہ اسے دیکھنے والا ہر وقت موجود ہے۔

دوسری طرف اعمال بھی عقیدے پر اثر انداز ہوتے ہیں، یہی اس تعلق کی باہمی صورت ہے۔ نیک اعمال ایمان کو بڑھاتے اور تازہ کرتے ہیں؛ نماز پڑھنے سے اللہ کا قرب محسوس ہوتا ہے، صدقہ دینے سے اس کی رضا پر یقین پختہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اہلِ علم کہتے ہیں کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے جو اطاعت سے بڑھتا اور نافرمانی سے گھٹتا ہے۔ گناہوں کا مسلسل ارتکاب آہستہ آہستہ عقیدے کو کمزور کر دیتا ہے؛ پہلا گناہ مشکل ہوتا ہے، پھر آسان، پھر عادت، اور پھر عقیدے کی وہ چمک ماند پڑ جاتی ہے جو انسان کو روکتی تھی۔ اسی باہمی تعلق کی وجہ سے شرک و کفر بدترین جرم ہیں کیونکہ وہ عقیدے کی جڑ کاٹ دیتے ہیں اور اعمال کی بنیاد ہی ختم کر دیتے ہیں، جب کہ توحید و اطاعت عقیدے اور عمل دونوں کو زندہ رکھتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کے عقیدے کی صحت جانچنے کا بہترین ذریعہ اس کے اعمال ہیں اور اعمال کی اصلاح کا بہترین راستہ عقیدے کی اصلاح ہے۔

توحید کے عبادات پر اثرات

توحید کا پہلا اثر عبادات کی سمت کی اصلاح ہے۔ توحید یہ فیصلہ کر دیتی ہے کہ عبادت صرف اللہ کے لیے ہے؛ دعا بھی اسی سے، نذر و نیاز بھی اسی کے لیے، سجدہ بھی اسی کو، اور فریاد بھی اسی سے۔ اس سے انسان بتوں، قبروں، وسیلوں کی غلط شکلوں اور ہر قسم کی مخلوق پرستی سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی عبادت ایک واضح مرکز پاتی ہے۔ دوسرا اثر اخلاص ہے: جب معبود ایک ہے تو عبادت میں دکھاوے کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ جس کے لیے عبادت ہے وہ دلوں کے ارادے بھی جانتا ہے۔ تیسرا اثر وسعت اور آسانی ہے: توحید کے بعد انسان کو ہر مذہبی موقع پر مختلف دیوتاؤں اور واسطوں کو راضی نہیں کرنا پڑتا، ایک اللہ کی طرف رجوع ہی اس کے لیے کافی ہوتا ہے، جس سے دینی زندگی سادہ، واضح اور پرسکون ہو جاتی ہے۔ یہ اثرات مل کر عبادت کو رسومات کے بوجھ سے نکال کر خالص بندگی بنا دیتے ہیں۔

توحید کا چوتھا اثر عبادات کی قبولیت پر ہے۔ اسلامی تعلیم کے مطابق ہر عبادت کی قبولیت کی پہلی شرط یہی ہے کہ وہ خالص اللہ کے لیے ہو اور اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو، ورنہ بڑے سے بڑا عمل بھی بے وزن ہو جاتا ہے۔ پانچواں اثر خوف اور امید کا توازن ہے: توحید انسان کو صرف اور صرف اللہ سے ڈرنا اور اسی سے امید رکھنا سکھاتی ہے، اس لیے نمازی نہ مزاروں اور وظیفوں کی اندھی تقلید میں پڑتا ہے نہ مایوسی کا شکار ہوتا ہے۔ چھٹا اثر عبادت میں استقلال اور ہم آہنگی ہے، کیونکہ ایک اللہ کی عبادت کرنے والوں کی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی سمتیں ایک ہوتی ہیں، جس سے پوری امت کی عبادات میں وحدت پیدا ہوتی ہے، حج کا عالمی اجتماع اس کی سب سے بڑی عملی تصویر ہے۔ ساتواں اثر اخلاقی

ہے: توحید پر یقین رکھنے والا عبادت کے بعد بھی اللہ کو حاضر و ناظر مانتا ہے، اس لیے اس کی عبادت اس کے بازار، دفتر اور گھر میں بھی جھلکتی ہے اور عبادت خانے اور زندگی کے درمیان دیوار ختم ہو جاتی ہے۔

جدول 1: توحید کے عبادات پر اثرات

عملی صورت	وضاحت	اثر
دعا، سجدہ اور نذر میں یکسوئی	عبادت صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے	سمت کی اصلاح
خلوت و جلوت میں یکساں عبادت	دکھاوا بے معنی ہو جاتا ہے	اخلاص
نیت کی جانچ اور تجدید	شرک سے پاک عمل ہی معتبر ہے	قبولیت
مایوسی اور بے خوفی سے نجات	ڈر اور امید صرف اللہ سے وابستہ	خوف و امید کا توازن
نماز و حج میں عالمی ہم آہنگی	امت کی عبادات کا ایک مرکز	وحدت و استقلال

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عقائد اور اعمال لازم و ملزوم ہیں: عقیدہ عمل کو سمت، قوت اور معیار دیتا ہے اور عمل عقیدے کو بڑھا کر یا گھٹا کر اس کی حقیقت ظاہر کرتا ہے۔ عقائد کی بنیاد توحید ہے اور توحید عبادات پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے؛ یہ عبادت کی سمت اللہ واحد کی طرف موڑتی ہے، اس میں اخلاص پیدا کرتی ہے، اسے قبولیت کی شرط سے جوڑتی ہے، خوف و امید میں توازن دیتی ہے اور پوری امت کی عبادات کو ایک مرکز پر جمع کرتی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ جتنی توحید پختہ ہو گی اتنی ہی عبادت خالص، زندہ اور مؤثر ہو گی، اور جتنی عبادت خالص ہو گی اتنا ہی عقیدہ مضبوط ہوتا جائے گا۔

سوال نمبر 5: عبادت کا فلسفہ اور نفس و اخلاق کی اصلاح میں عبادت کا کردار (20 نمبر)

سوال نمبر 5: عبادت کے فلسفے کی وضاحت کریں اور بیان کریں کہ عبادت انسان کے نفس اور اخلاق کی اصلاح میں کس طرح مددگار ہوتی ہے۔ (20)

تعارف

عبادت اسلامی زندگی کا محور ہے، کیونکہ انسان کی تخلیق کا مقصد ہی قرآن کی نصِ صریح کے مطابق اللہ کی عبادت بیان کیا گیا ہے۔ مگر عبادت صرف چند رسومات کا نام نہیں، اس کے پیچھے ایک گہرا فلسفہ اور حکمتوں کا پورا نظام ہے جسے سمجھے بغیر عبادت کی حرکات تو ادا ہو سکتی ہیں مگر اس کی روح حاصل نہیں ہوتی۔ فلسفۂ عبادت سے مراد عبادت کا مقصد، اس کی حکمتیں، انسان کی فطرت سے اس کی مطابقت اور فرد و معاشرے پر اس کے اثرات کا مطالعہ ہے۔ اسلامی مفکرین نے عبادت کی حکمتیں بیان کی ہیں جن میں اللہ کی معرفت، شکر گزاری، اطاعت کی تربیت، نفس کی پاکیزگی اور اخلاق کی تعمیر سب شامل ہیں۔ اس جواب میں پہلے عبادت کے معنی اور فلسفے کی وضاحت کی جائے گی، پھر بیان کیا جائے گا کہ عبادت انسان کے نفس کی اصلاح میں کس طرح مددگار ہوتی ہے اور آخر میں اخلاق کی اصلاح میں عبادت کے کردار کو تفصیل سے پیش کیا جائے گا۔

عبادت کا معنی اور فلسفہ

عبادت کے لغوی معنی عاجزی، اطاعت اور بندگی کے ہیں اور اصطلاحاً ہر وہ قول و فعل عبادت ہے جسے اللہ پسند فرمائے اور جو اس کی رضا کے لیے کیا جائے۔ عبادت کے فلسفے کی بنیاد تین سچائیوں پر ہے۔ پہلی یہ کہ انسان بندہ ہے اور اللہ اس کا خالق و مالک ہے، اس لیے بندگی اس کی فطرت اور اس کا شرف ہے، بے نیازی کا دعویٰ نہیں۔ دوسری یہ کہ عبادت اللہ کو کسی فائدے کے لیے نہیں بلکہ انسان ہی کی تربیت اور کامیابی کے لیے فرض کی گئی ہے، کیونکہ اللہ عبادت سے بے نیاز ہے اور انسان اس کا محتاج ہے۔ تیسری یہ کہ عبادت کی صورتیں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج تک محدود نہیں سمجھنی چاہئیں؛ نیت درست ہو تو حلال روزی کمانا، والدین کی خدمت، انصاف کرنا اور کسی کا حق ادا کرنا بھی عبادت ہے۔ یہ وسعت عبادت کے فلسفے کو رسومیت سے نکال کر پوری زندگی کا نظام بنا دیتی ہے۔

فلسفۂ عبادت کی ایک بڑی حکمت انسانی خواہشات کی تربیت ہے۔ انسان کے اندر شہوت، غضب اور مال و اقتدار کی طلب فطری قوتیں ہیں جنہیں ختم کرنا ممکن نہیں، مگر عبادت انہیں قابو میں رکھ کر درست رخ دیتی ہے۔ روزہ شہوت کو، نماز غرور کو، زکوٰۃ مال کی حرص کو اور حج سفر و قربانی کے ذریعے آرام طلبی کو قابو کرنا سکھاتا ہے۔ دوسری حکمت وقت اور زندگی کو مقصد دینا ہے: عابد کی زندگی بے مقصد نہیں ہوتی، اس کا ہر دن عبادت کے اوقات کے گرد معنی خیز ہوتا ہے۔ تیسری حکمت اللہ سے تعلق کی تجدید ہے، کیونکہ مادی دنیا کی مشغولیت انسان کو خالق سے غافل کر دیتی ہے اور عبادت بار بار اس غفلت کو توڑتی ہے۔ چوتھی حکمت اجتماعی ہے کہ مشترکہ عبادات امت میں برابری، اتحاد اور باہمی محبت پیدا کرتی ہیں۔ ان حکمتوں سے واضح ہوتا ہے کہ عبادت کا فلسفہ انسان سازی کا فلسفہ ہے۔

عبادت اور نفس کی اصلاح

نفس انسانی زندگی کا وہ میدان ہے جہاں اصل کشمکش ہوتی ہے؛ قرآن نے نفس کی تین حالتیں بیان کی ہیں: برائی پر اکسانے والا نفسِ امارہ، غلطی پر ملامت کرنے والا نفسِ لوامہ اور اطمینان یافتہ نفسِ مطمئنہ۔ عبادت کا کام نفس کو پہلی حالت سے نکال کر تیسری حالت تک پہنچانا ہے۔ نماز نفس کی اصلاح یوں کرتی ہے کہ پانچ مرتبہ اللہ کے حضور کھڑا ہونے سے خود احتسابی پیدا ہوتی ہے اور گناہ کا موقع ملتے ہی ضمیر ملامت کرنے لگتا ہے، یہی لوامہ کی علامت ہے۔ روزہ نفس کی خواہشات پر براہِ راست ضرب لگاتا ہے؛ بھوک، پیاس اور جائز خواہشوں سے رک کر انسان سیکھتا ہے کہ وہ خواہش کا غلام نہیں مالک بن سکتا ہے۔ زکوٰۃ مال دوست نفس کو قربانی کی تربیت دیتی ہے اور حج جسمانی مشقت اور سفر کی صعوبت سے آرام پسند نفس کو صبر سکھاتا ہے۔ ذکر و تلاوت دل کی زنگ آلودگی دور کرتے ہیں اور دعا نفس کو اللہ کے سامنے جھکنے کی عادت دیتی ہے۔ یہ مسلسل مشقیں نفس کو آہستہ آہستہ امارہ سے لوامہ اور لوامہ سے مطمئنہ کی طرف لے جاتی ہیں۔

نفس کی اصلاح میں عبادت کی ایک اور خصوصیت اس کا تسلسل ہے۔ اصلاحِ نفس کسی ایک دن کے جذبے سے نہیں ہوتی، برسوں کی باقاعدگی سے ہوتی ہے، اور عبادات کا نظام بھی بالکل اسی اصول پر بنایا گیا ہے: نماز روزانہ، روزہ سالانہ، زکوٰۃ سالانہ اور حج عمر میں ایک بار مگر اس کی تیاری و اثرات عمر بھر۔ عبادت نفس کو سزا دے کر نہیں بلکہ متبادل

لذت دے کر بدلتی ہے؛ جب انسان کو عبادت میں سکون اور حلاوت ملنے لگتی ہے تو گناہ کی عارضی لذت خود بے قیمت ہو جاتی ہے۔ اسی لیے صوفیاء و مصلحین نے عبادت کو محض فرض کی ادائیگی نہیں بلکہ علاج قرار دیا ہے، بشرطیکہ وہ سمجھ، اخلاص اور باقاعدگی کے ساتھ ہو۔

عبادت اور اخلاق کی اصلاح

اخلاق کی اصلاح میں عبادت کا کردار اس اصول سے شروع ہوتا ہے کہ عبادت اور اخلاق دونوں ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ نماز بے حیائی اور برائی سے روکنے کے لیے ہے، اس لیے جو نماز انسان کو جھوٹ اور فحش کاموں سے نہ روکے اس کی روح پر سوال اٹھتا ہے۔ روزہ اخلاق کی حفاظت کی تربیت ہے کہ روزے دار کو حکم ہے کہ جھوٹ اور جہالت کا رویہ چھوڑ دے، جھگڑا ہو تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ زکوٰۃ سخاوت، ہمدردی اور ایثار جیسے اعلیٰ اخلاق پیدا کرتی ہے اور حسد و بخل جیسے رذائل کا علاج کرتی ہے۔ حج صبر، برداشت، نرمی اور انسانیت کے احترام کا عالمی تربیتی کورس ہے جہاں لاکھوں کے مجمع میں ضبطِ نفس کے بغیر عبادت مکمل ہی نہیں ہوتی۔ یوں ہر عبادت اپنے اندر چند اخلاقی صفات کی تربیت سموئے ہوئے ہے اور سب عبادات مل کر ایک مکمل اخلاقی نظام بن جاتی ہیں۔

عبادت اخلاق کو دو بنیادوں پر مضبوط کرتی ہے جن کی انسانی اخلاقیات میں کوئی نظیر نہیں۔ پہلی بنیاد خدا خوفی ہے کہ اخلاقی عمل صرف لوگوں کی دیکھا دیکھی نہیں بلکہ اس اللہ کے لیے ہے جو تنہائی میں بھی دیکھتا ہے، اس لیے عابد کا اخلاق حالات بدلنے سے نہیں بدلتا۔ دوسری بنیاد اخروی جواب دہی ہے کہ ہر اخلاقی رویے کا حساب آخرت میں ہو گا، اس لیے عبادت گزار انسان کمزور کے حق میں بھی وہی انصاف کرتا ہے جو طاقتور کے حق میں کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں سچائی، امانت، عدل، رحم، حیا، صبر اور عفو جیسی صفات اس کے مزاج کا حصہ بن جاتی ہیں۔ یاد رہے کہ اس بحث کا مقصد عبادات کی حکمتوں کی علمی وضاحت ہے؛ کسی فرد کے اعمال پر قبولیت یا عدم قبولیت کا حتمی فیصلہ اللہ ہی کے علم میں ہے اور دنیاوی معاملات میں شرعی حکم کے لیے اہلِ علم مرجع ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عبادت کا فلسفہ بندگی، شکر، اطاعت اور انسان سازی کا جامع فلسفہ ہے جس میں عبادت اللہ کی بے نیازی کے باوجود انسان ہی کی تربیت کے لیے فرض کی گئی ہے۔ عبادت نفس کی اصلاح میں خواہشات کو قابو، ضمیر کو بیدار اور دل کو اللہ کے ذکر سے مطمئن کر کے مددگار ہوتی ہے، اور اخلاق کی اصلاح میں خدا خوفی اور اخروی جواب دہی کی بنیاد پر سچائی، سخاوت، صبر اور رحم جیسی صفات پیدا کرتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ عبادت محض رسم نہ ہو بلکہ سمجھ، اخلاص اور پابندی کے ساتھ ہو، تب ہی وہ اپنے فلسفے کے مطابق نفس و اخلاق کی مکمل اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com